قرآن اور مستشرقین

ڈاکٹر صغیر حسن معصومی

تاریخی ادوار میں انیسویں اور بیسویں صدیاں علمی، نیز سائنسی کارناموں کے لئے یادگار رہیں گی۔ اس میں شبہ نہیں کہ علمی فراوانی آج بے حد ہے اور علمی رواداری بھی، مگر غائر نظر سے دیکھا جائے تو آج کل کے بین الاقوامی خیالات اور رواداری وایثار کے دعاوی بہت حد تک نفسانی اغراض اور خود غرضانہ مقاصد کے رہین منت ہیں۔ یورپین اہل علم وارباب حل وعقد کی بظاہر مخلصانہ سرگرمیاں اکثر وبیشتر نتیجے کے لحاظ سے کسی قومی مفاد کی خاطر رہی ہیں۔ مستشرقین کی علمی کاوشوں اور اسلامی علوم میں ان کے نشر واشاعت کے موجودہ نسل کے مسلمان بے حد رطب اللسان اور مداح ہیں، لیکن ان کی محنتیں خاص غرض وغایت کے ماتحت عمل میں آرہی ہیں۔ اسلامی علوم کی خدمت سے زیادہ اپنی ثقافت کی ترویج واحیاء کے لئے مزید سے مزید اسباب فراہم کرنا ان کا مطمح نظر ہے، حقیقت یہ ہے کہ ان کو ہمارے علوم سے مخلصانہ سروکار نہیں ہے، بلکہ سیاسی اغراض کے ماتحت دوسرے مذاہب کے علوم اور ثقافتی کارناموں میں بھی ان کا انہماک نمایاں ہے، مگر جو اعتنا ان کو اسلام اور مسلمانوں اور خصوصاً اسلامی علوم سے ہے، وہ بڑی حد تک بظاہر والہانہ ہے، جس کی وجہ سے اسلامی تعلیمات کی فطری مقبولیت اور اسلامی ثقافت کی بین الاقوامی عالمگیر وحدت ومساوات کی خصوصیتیں ہیں جن کو مغربی اقوام نے اپنالیا ہے اور مسلمانوں نے اپنے لئے اسباب مذلت سمجھ رکھا ہے۔ دوسری بات جو ان کے پیش نظر ہے، وہ یہ حقیقی امر ہے کہ اسلام کی تعلیمات مکمل ہیں اور قرآنی احکام ارتقاء انسانی کی تکمیل وتزئین کے لئے سابقہ الہامی قوانین کے لحاظ سے زیادہ ممد ومعاون ہیں۔ آج جو کچھ بین الاقوامی صلاح ونظام کے نظریئے یا وحدت قومی واتحاد واتفاق ورواداری کی صدائیں بلند ہیں، یہ سب اسلام وثقافت اسلامی کے بنیادی اصول ہیں۔ جن سے سب سے پہلے اسلام نے دنیا کے اور خصوصاً یورپ کے اہل علم کو روشناس کیا۔

قرآن پاک کے تراجم لاطینی اور یورپین زبانوں میں تقریباً تیرہویں صدی مسیحی سے زیادہ سے زیادہ مقبول ہوتے

چلے گئے۔ ابتداء میں قرآن پاک اور نزول وحی کے متعلق طرح طرح کے افسانے یورپین اقوام میں رواج پاتے گئے، مگر اندلس، صقلیہ اور قسطنطنیہ کی فتوحات کے بعد جب مسلمانوں کی علوم وتمدن سے واقفیت بڑھتی گئی تو یورپ کے اہل علم زیادہ سے زیادہ اسلامی علوم سے اعتنا برتنے لگے اور شارع اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ان کے نظریئے بدلتے چلے گئے۔ سولہویں صدی سے ان کی دلچسپی عربی زبان میں روز افزوں بڑھتی گئی اور آکسفورڈ کیمبرج کی یونیورسٹیوں میں بھی پیڈ وادیٹینا اور برلن وغیرہ کی یونیورسٹیوں کی طرح علوم عربیہ کے شعبے قائم ہوئے۔ فلسفہ، طب اور دوسرے طبعی علوم کے ساتھ قرآن وحدیث اور فقہ وکلام میں بھی ان کی دلچسپیاں روز افزوں رہیں۔ انیسویں بیسویں صدی میں ''نولڈکے'' 1860ء دوسرا ایڈیشن جلد ا سنہ ۱۹۰۹ء (Noldeke) نے قرآن پر مقدمہ لکھا۔ کلکتہ سے سنہ ۵۴-۱۸۵۲ء میں جلال الدین سیوطی کی کتاب ''الاتقان فی علوم القرآن'' شائع ہو چکی تھی۔ جی سیل (G.SALE) نے اپنے انگریزی ترجمہ کے ساتھ مقدمہ میں بڑی تفصیل کے ساتھ قرآن کے متعلق اپنے نظریات کو بیان کیا ہے۔ ۱۸۹۸ء میں ''اِل، مرکس'' نے قرآن پاک کا رد لکھا۔ سنہ ۱۹۰۲ء میں ''ایچ ہیرشفلڈ'' H.Herschfeld کا ایک طویل مقالہ موجود ہے جو مستشرقین کے عقائد کی تشریح ہے، اس کے ایڈیٹروں میں ''پروفیسر ایچ اے آر گب'' ایک نہایت متین سنجیدہ اور حق گو ہیں،

اس مختصر مقالے کا مقصد قرآن پاک کے مختلف ترجموں کا تعارف نہیں کہ بہت سے ترجمے لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں جن کی خوبیوں اور فروگذاشتوں کی نشاندہی کے لئے نص قرآن سے مقابلہ کے بعد تفصیلی تبصرے کی ضرورت ہے۔ قرآن پاک کی تفسیروں پر بھی مستشرقین نے بہت کچھ لکھا ہے اور اپنے معتقدات کی روشنی میں قرآن پاک پر تبصرے شائع کئے ہیں۔ یہاں بعض ان باتوں کی نشاندہی مقصود ہے جو آزمودہ کار مسلم طلباء کے دماغوں کو مسموم کرنے کے لئے کافی ہیں۔ مختصر دائرہ معارف اسلام (SHORTER ENYCLOPAEDIA OF ISLAM) میں القرآن (AL-KORAN) کے زیر عنوان مستشرقین نے بہت سے افسانوی اعتقادات کو خیر باد کہہ دیا ہے اور اپنے علمی اضافوں کے تحت شارع اسلام علیہ الصلاۃ والسلام کے متعلق بے سروپا باتوں کی توثیق سے گریز کرنے لگے ہیں یہاں اس امر کی وضاحت بیجا نہ ہوگی کہ دائرہ معارف اسلامیہ لندن کے لئے مسلمانوں کی قلمی معاونت بھی لی گئی ہے۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ مذہب اسلام کے فقہی، قانونی اور اعتقادی مواد کے لئے مستشرقین کبھی مسلمانوں کے بیان پر وثوق نہیں کرتے اور اس لئے ان سے صرف تاریخی، ثقافتی اور جغرافی مواد پر لکھنے کی فہمائش کرتے ہیں۔

نزول قرآن:...... جمع وترتیب قرآن کے متعلق کچھ کہنے سے پہلے یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ قرآنی آیات کو یورپ کے مصنفین وحی تو سمجھتے ہیں مگر وحی کے مفہوم میں اپنے لئے یہ اعتقاد ضروری سمجھتے ہیں کہ پیغمبر اسلام کے دل پر قرآن کی آیتوں کا نزول ہوا جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے الفاظ کا جامہ پہنا کر بقاء دوام بخشا۔ یہ لوگ قرآن کریم کی آیت ''نــزل علـیٰ قـلبـہ'' سے استدلال کرتے ہیں مگر در حقیقت وہ دوسری آیتوں کو بھلا دیتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ یہ آیت دوسری آیتوں کے

مفہوم کی تائید کرتی ہے۔ دل پر نزول کی وجہ سے خدائی الفاظ دل میں جاگزیں ہو گئے۔ جن کو جبریلؑ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا، پڑھایا اور سکھایا اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے۔ غرض زبانِ عربی میں قرآن کی آیتوں کو جبریل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے رہے اور ساتھ ہی اللہ کے حکم سے آپ کے دل میں قرآنی الفاظ جاگزیں ہوتے گئے۔ اس آیت کے نزول سے پیشتر حالت یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آیات پاک سنتے جاتے اور جلد جلد دہراتے جاتے تاکہ کوئی لفظ بھول نہ جائیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا "لا تحرك به لسانك لتعجل به ان علينا جمعه و قرآنه"

"آپ اپنی زبان سے قرآنی آیتوں کو جلد جلد نہ پڑھیں بیشک یہ ہمارا کام ہے کہ اس کو جمع رکھیں اور اس کی قراءت کو متداول رکھیں۔" یہاں لفظ جمع پر غور کرنا چاہئے کہ اس کا مفہوم تحریر میں ضبط کرنا اور قوت حافظہ میں صحیح و ثابت رکھنا ہے، اس معنی کی وضاحت قرآن پاک کے بیان "وقرآنه" سے ہوتی ہے یعنی حافظے میں موجود رکھنا یا ثابت رکھنا اور اس کے پڑھنے کو قائم و دائم رکھنا اللہ کا کام ہے۔ عام طور پر لوگ (جن میں مستشرقین بھی شامل ہیں) "جمع" کے معنی اکٹھا کرنے اور مرتب کرنے کے لیتے ہیں اور اس بناء پر جمع قرآن کے متعلق بخاری شریف کے الفاظ "ولم يجمع في مصحف" سے غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں اور یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حین حیات میں قرآن جمع نہ کیا گیا تھا اور اس کی ترتیب وقوع میں نہ آئی تھی۔ حالانکہ یہ سراسر خلاف واقعہ ہے اور خلاف قیاس، کیونکہ حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمع و ترتیب کی خاطر قرآن پاک کی آیتوں کو ان کی اپنی اپنی سورتوں اور اپنی اپنی جگہ میں لکھواتے تھے۔ نیز بہت سے صحابہ پورے قرآن کے حافظ تھے۔ اگر جمع و ترتیب نہ ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صحابہ کرام پورے قرآن پاک کے کس طرح حافظ ہوتے؟ اور تلاوت کے متعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہ ہوتا کہ زیادہ سے زیادہ تین دنوں میں ختم کریں اور تنہا تین دنوں سے کم میں قرآن کریم ختم نہ کریں۔

کیا قرآن کا کوئی ماخذ ہے؟...... سر ولیم میور کا عقیدہ تھا کہ اہل اسلام کا یہ عقیدہ کہ قرآن پاک "لوح محفوظ" میں تھا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریلؑ کی وساطت سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا اور اس لئے قرآن پاک اللہ کا کلام ہے، صحیح نہیں، کیونکہ اگر یہ ثابت کر دیا جائے کہ قرآن پاک کے ماخذ میں دنیاوی نظام انسانی ہے جو پیغمبر اسلام کے زمانے سے پیشتر سے رائج ہے تو یہ واضح ہو جائے گا کہ اسلام و مسلمانوں کا یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ قرآن پاک آسمانی کتاب ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ یہ بات بظاہر نہایت معقول ہے مگر اس حقیقت سے بالکل بے خبری برتی گئی ہے کہ قرآن پاک نے کسی نئے دین کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ اسلام ابتداء نوع انسانی سے پیغمبروں کے سلسلہ کا قائل ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ان سارے گزشتہ نبیوں کی تعلیم توحید پر مبنی تھی اور سب کا دین اسلام تھا۔ چنانچہ قرآن پاک نے گزشتہ قوموں، ان کے پیغمبروں، ان

کے زوال و ہلاکت کے اسباب پر جا بجا روشنی ڈالی ہے۔ بناء بریں اسلام کے بیان کردہ واقعات و تاریخی اقوام کے متعلق دوسرے ذرائع سے مزید روشنی ڈالنے کو ہرگز یہ نہ سمجھا جائے گا کہ یہ ذرائع قرآن پاک کے ماخذ ہیں، زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان واقعات واقوام کے متعلق دوسرے ذرائع سے بھی معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ قرآن پاک نے اہل کتاب کی یاد دہانی کی غرض سے ان تاریخی واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے اور مقصد صرف تحذیر و تنبیہہ ہے۔ بنابریں دوسرے ماخذ کی نشاندہی سے قرآن پاک کی مزید تصدیق ہوتی ہے۔ یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ قرآن پاک نے ان افسانوں سے استفادہ کیا ہے۔ (دیکھیے: ریورینڈ سینٹ کلیر ٹسڈل کی فارسی کتاب مآخذ اسلام کا انگریزی ترجمہ جس کو سر ولیم میور (W.MUIR) نے اڈنبرا سے ۱۹۰۱ء میں شائع کیا)

اسی طرح ہرشفیلڈ نے مختلف قراتوں کے اقتباسات جمع کرکے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن پاک پر سب کا اتفاق نہیں اور اس میں قرأت و الفاظ کی تحریف و تغیر موجود ہے۔ حالانکہ اختلاف قرأت سے درحقیقت مختلف قبائل کے طریقۂ ادا اور طریقۂ تلفظ پر روشنی پڑتی ہے اور ان کے مختلف لہجوں کی نشاندہی ہوتی ہے۔ حضرت عثمانؓ کے مصحف کا کارنامہ یہ ہے کہ قرآن پاک کی کتابت اور رسم الخط ایک نہج پر قائم ہوگئیں اور آج چودہ صدیاں گزر جانے پر بھی حضرت ابی ابن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور دوسرے صحابہ کرام کے قریشی رسم الخط کی تحریر آج بھی منضبط ہے اور تحریر و کتابت کے ارتقائی منازل کے طے پانے پر بھی قرآنی رسم الخط تغیر پذیر نہ ہوا، یہ ایسا معجزہ ہے جو دوسری زبانوں میں مفقود ہے۔ املا و طرز کتابت ہر زبان میں کچھ نہ کچھ تغیر و تبدل کے ہدف بنتے ہیں، مگر قرآن پاک اس تغیر سے محفوظ ہے۔ اس کے جمع و ترتیب اور اس کے رسم خط پر سارے عالم کے مسلمان آج تک متفق و متحد ہیں۔

قرآن میں غیر عربی الفاظ:...... مستشرقین متفقہ طور پر قرآنی الفاظ سے استدلال کرتے ہیں کہ چونکہ یہ الفاظ سریانی، عبرانی اور دوسری زبانوں میں کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں، اس لئے یہ خدائی الفاظ نہیں ہوسکتے، اسی طرح چونکہ عیسائی اور یہودی مشنریوں کی سرگرمی عرب کے مرکزی شہروں میں موجود تھی اس لئے پیغمبر اسلام کو ان سے استفادہ کا موقع ملا اور دین اسلام کے مسائل و اعتقادات میں ان کے اثرات ظاہر ہیں، حالانکہ قرآن پاک کا دعویٰ ہے ''علّم آدم الاسماء کلھا'' (آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سارے اسماء سکھائے) یہ دعویٰ اس بات کی تصریح کردیتا ہے کہ ساری زبانیں آدم علیہ السلام سے آغاز پاکر اپنے اپنے ارتقائی ادوار سے گزرتی جاتی ہیں۔ مختلف زبانوں کے الفاظ کا مشترکہ وجود مختلف مقامات میں، مختلف قسم کے لوگوں میں ان کے آپس کے ربط و انضمام پر شاہد ہے اور یہی وجہ ہے کہ بنیادی اختلافات کے باوجود مختلف زبانوں میں ایک ہی جیسے الفاظ مستعمل ہیں جس طرح بطور مثال مادر، پدر، برادر وغیرہ الفاظ آریائی زبانوں سنسکرت، ژند، اوستہ، لاطینی، انگریزی، فرانسیسی اور جرمن وغیرہ میں موجود ہیں، اسی طرح سامی زبانوں قحطانی، عبرانی، سریانی اور عربی وغیرہ میں بہت سے الفاظ مشترکہ پائے جاتے ہیں اور عربی اور

عبرانی وسریانی میں تو بڑی قربت ہے، بیشتر عربی الفاظ عبرانی میں بھی مستعمل ہیں۔ مگر اس ترادف اور اشتراک سے کسی طرح یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ قرآن پاک کا ماخذ عبرانی وسریانی ادبیات ہیں۔ البتہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان زبانوں کے الفاظ مشترک ہیں اور یہ زبانیں الفاظ کے لحاظ سے ایک دوسرے سے بہت زیادہ قریب ہیں۔

اسی طرح بعض افکار وخیالات کی یگانگت اور ادنیٰ مشابہت یہ ہرگز ثابت نہیں کرتی کہ حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آس پاس اور قرب وجوار کے عیسائی اور یہودی علماء کے افکار سے ضرور بالضرور متاثر ہوئے کیونکہ یہ پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ دور افتادہ مقامات کے مفکرین جنہیں آپس میں ملنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا اور نہ کبھی ان میں تبادلہ افکار کا موقع میسر ہوسکا، ان کے افکار میں بھی توارد پایا جاتا ہے۔ قطع نظر اس سے کہ خیالات کے لحاظ سے پیغمبر اسلام سے پیشتر بین الاقوامی اور بین الدولی قوانین ومعاملات کا اسلامی تعلیمات جیسا منظم ومربوط فکر کبھی تاریخ بنی نوع انسان میں نہیں پیش کیا گیا۔ اخلاقی تعلیمات اور سماجی اور معاشرتی مسائل کا حل اسلامی قوانین کی تعلیم سے پہلے اس قدر مکمل اور ترقی یافتہ صورت میں کسی کے یہاں نہیں ملتا، بنابریں اسمی اور لفظی مشارکت وترادف سے کس طرح مستشرقین کا استدلال صحت وپایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا ہے کیونکہ تاریخی شواہد آج تک پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم جیسی کسی ہستی کے وجود کی نشاندہی سے قاصر ہیں۔

نیز قرآنی آیات وتعلیمات کو اگر ہم بالفرض مان لیں کہ انسانی افادہ واستفادہ کی رہین منت ہیں تو یہ امر ضرور حیرت ناک اور عجوبۂ روزگار ہے کہ قرآن جیسی عبارت اور اس طرح کی منظم تعلیم وتفکیر نہ وحی محمدیؐ سے پیشتر ملتی ہے اور نہ اس وحی کے نشر واشاعت کے بعد ہی آج تک پیش کی جاسکی ہے۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قرآن حکیم کا اعجاز یہی ہے کہ اس علم وعرفان کے دور میں بھی لوگ نہ قرآن جیسی عبارت کبھی نظم کرسکے اور نہ ایسی انسانی تعلیم ہی پیش کرسکے؟

خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال زبان پر رائج ہیں، مگر ان نبوی اقوال کو قرآنی عبارات سے کوئی نسبت نہیں، کثرتِ وتکرار سے آثار نبوی کو کبھی قرآنی الفاظ سے اختلاط واشتباہ نصیب نہ ہوسکا۔ دوسروں کے اقوال وخطب تو کہاں اس پائے کے ہوسکتے ہیں؟ کاہنوں کے اقوال کو بھلا ایک عربی کا ذوق رکھنے والا کیونکر خاطر میں لاسکتا ہے؟ کاہنوں کے الفاظ کی غرابت اور تراکیب کے اغلاق اور تنافر کے آگے خدائی کلام کا فرق ظاہر ہوجاتا ہے۔ پھر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کاہن سے تشبیہ دینا کس قدر مضحکہ خیز اور شرانگیز ہے……!

☆……☆……☆